ڈاکٹر فاطمہ حسن☆

اقبال، اقبالیات اور نصابِ تعلیم

Iqbal,Iqbaliat and Educational Curriculum

Abstract

Iqbal, Iqbaliat and educational curriculum Iqbaliat is a subject of our educational curriculum which is as important in the 21st century as it was in the last century. The passage of time has kept Iqbal's thought in tune with the contemporary as such that thinking minds are constantly identifying the ways present and future generations can access the multiple dimensions of this study. Iqbal and Iqbaliat are included in the curriculum of our students from elementary school to higher education at universities. However, we need to consider how and how much Iqbaliyat plays a part in the mental development, intellectual evolution, and character building of these students. Is the new generation making full use of the topics of this thinker, who was internationally recognized as a great intellectual, and the breadth of his expression? Or just by merely making his name and status formal, his poems regurgitated in the memory of the students, it's assumed that the service to the great poet has been done. Isn't it the case that students feel closer to other poets than Iqbal and have only devotion to the poet status of Iqbal? There are many facets and considerations that should be kept in mind while including Iqbal in the curriculum and teaching his poetry. An important question also arises about the arguments presented for the use of Allama Iqbal's greatness and his thought and philosophy.

Keywords: Iqbal, education, generations, students, universities

☆مہتمم اعلیٰ، جوش ملیح آبادی لائبریری آرٹس کونسل کراچی ای میل:afaemahassan@hotmail.com

علامہ اقبال نہ صرف شاعرانہ اور فلسفیانہ حیثیت سے یگانہ روزگار شخصیت کے حامل تھے بل کہ تعلیمی میدان میں بھی ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ وہ یورپ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور جدید تعلیم کی خوبیوں خامیوں سے اپنے معاصرین سے کہیں زیادہ آگاہ تھے۔ انھوں نے "مسلمان اور جدید تعلیم" کے عنوان سے "بانگِ درا" کی ایک نظم میں کہا ہے کہ:

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دو

ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیش تر(۱)

لیکن کون سی؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔ اسکول کی ابتدائی تعلیم سے جامعہ کے اعلیٰ مدارج طے کرنے تک ہمارے طلبہ کے نصاب میں اقبال اور اقبالیات شامل رہتے ہیں۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ ان طلباء کی ذہنی نشو نما فکری ارتقا اور کردار سازی میں اقبالیات کا کتنا حصہ ہے؟ کیا اس مفکر کے موضوعات سے جسے بین القوامی طور پر ایک بے حد معتبر دانش ور تسلیم کیا گیا، اس کی اظہار کی وسعت و گیرائی سے نو بھرپور استافادہ کر رہی ہے! یا صرف مانوس نام ،کچھ نظموں اور اشعار کی گردان رسمی گفتگو طلباء کی یاداشت کا حصہ بنا کر یہ اطمینان حاصل کیا جارہا ہے کہ اس عظیم شاعر کا حق ادا کر دیا گیا ہے جو ہمارے لیے علامہ بھی ہے، مصورِ پاکستان بھی ہے اور قومی شاعر بھی۔ اتنے سارے القابات اور مراتب عطا کر کے جس مقام پر ہم نے انہیں فائز کر دیا ہے، کیا یہ فاصلہ نئی نسل کی حقیقی اقبال تک رسائی میں حائل تو نہیں؟ کیا ایسا تو نہیں کہ اقبال کی بہ نسبت وہ دوسرے شعراء سے زیادہ قربت محسوس کرتے ہوں اور بس شاعر اقبال سے صرف عقیدت رکھتے ہوں؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات ہیں جو درجہ بہ درجہ اقبال کو شاملِ نصاب کرتے ہوئے پیشِ نظر رہنے چاہیں۔ پھر ایک اہم سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ علامہ اقبال کی عظمت اور ان کے فکر و فلسفے سے استافادے کے لیے کیا استدلال پیش کیے گئے ہیں۔ اقبال کی فکر کے عملی اطلاق پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو اکیسویں صدی میں ہم وہیں کھڑے نظر آرہے ہیں جہاں اقبال نے کہا تھا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر

لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما

لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ (۲)

وہ پیر رومی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم را بر تن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود (۳)

تعلیمی نظام میں اقبال کی فکر و فلسفے سے رہنمائی حاصل کرنے کی طرف ڈاکٹر سیّد عبداللہ جیسے اسکالر نے اپنی کتاب "مسائل اقبال" کے مضمون "اقبال کا مدرسہ تعلیم" میں واضح طور پر توجہ مبذول کرائی ہے:

"اتفاق سے اس وقت ہماری ملّت ایک تجربے کی حالت میں ہے اور منجملہ دیگر تجربات کے وہ تعلیم میں بھی تجربے کی آرزو۔ اس لیے مناسب یہ ہو گا کہ وہ نئے تعلیمی نظام کی تشکیل میں حکیم فرزانہ کے تصورات سے استفادہ کرے۔ جس نے مغربی طریق کار کے حسن و قبح سے ہمیں آگاہ کیا اور دین، زندگی اور تعلیم کے ان رشتوں کی وضاحت کی جو یورپ کے یکطرفہ ذوق کی بدولت الجھ سے گئے تھے۔ اور گو کہ ہم خود بھی ان تجربوں کی عملی منزل کے قریب نہیں پہنچے۔ مگر ہمارے لیے ان تجربوں سے گزرنا مشکل بھی تو نہیں کیونکہ ہمارا مزاج اور ہمارے دین کا مزاج اصلاً امتزاجی اور عملی ہے" (۴)

واضح رہے کہ ان کی کتاب "مسائل اقبال" کا پہلا ایڈیشن 1974 میں شائع ہوا تھا۔ اس طرح اقبال اور نظام تعلیم کے موضوع پر نصف صدی قبل بھی دعوتِ فکر دی گئی تھی۔ ہماری تدریس و تحقیق سے وابستہ بہت اہم ہستیاں اس موضوع پر مسلسل لکھتی رہی ہیں اور اس بات کا اعادہ کرتی رہی ہیں کہ نوجوانوں کے لیے نصاب کی تشکیل میں اقبال کی شاعری صرف رسمی طور پر نہیں بلکہ کردار سازی اور حصولِ دانش کے لئے شامل کی جانی چاہئیں۔ ایسا اس لیے بھی ہے کہ اقبال وہ پہلے شاعر تھے جنہوں نے مشرق اور مغرب کی درس گاہوں سے نہ صرف استافادہ کیا تھا بلکہ ان کے بارے میں واضح نقطہ نظر بھی رکھتے تھے جس کا اظہار تواتر سے ان کی شاعری اور نثر دونوں میں ہوا ہے۔

نسلِ نو کی تعلیم و تربیت ان کے لئے کتنی اہم رہی ہے، اس پر پروفیسر وقار عظیم نے اپنے مقالے "اقبال اور نژادِ نو" میں روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اقبال کی پوری شاعری یا شائد یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ ان کی یورپ سے واپسی کے بعد کی شاعری ایک طرف تو انسان کے امراض، ان امراض کی علامات اور ان کے اسباب کی نشاندہی کا فریضہ انجام دیتی ہے اور دوسری طرف

ان امراض کا استیصال کرنے اور ان سے محفوظ رہنے کی تدابیر تجویز کرتی ہے۔اقبال نے ان دونوں منصبوں کی ادائیگی میں جن وسیلوں سے مدد لی ہے وہ بیک وقت فلسفی کے وسیلے بھی ہیں اور شاعر کے بھی۔ان ملے جلے حکیمانہ اور شاعرانہ وسیلوں کی مدد سے اقبال نے اپنا پیغام حیات جن گروہوں تک پہنچایا ہے ان میں اس عہد کا نوجوان طبقہ جسے اقبال نے ایک خاص سیاق میں نژادِ نو کہا ہے، بطور خاص ان کا مخاطب ہے۔(۵)

مگر اس نژادِ نو کو ہم نے اقبال کے افکار و پیغامات سے آشنا رکھنے کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں؟ اگر آج اکیسویں صدی میں بھی حالات وہی ہیں جن سے اقبال نے بار بار خبردار کیا ہے تو اس پر ہم موردِ الزام نئی نسل کو کیسے ٹھہرا سکتے ہیں جبکہ ہمارا پورا تعلیمی نظام دگرگوں ہے۔ہمارے وطنِ عزیز کے پچھتر سال گزر گئے مگر اب تک کوئی ایسا نظام تعلیم اور نصاب وضع نہیں ہوا جو قومی شعور کے حصول کے لئے ضروری ہے۔اس وقت ہم چار مختلف نظام ہائے تعلیم میں جکڑی ہوئی قوم ہیں۔سرکاری تعلیمی ادارے، پرائیوٹ تعلیمی ادارے، کیمبرج سسٹم، مدرسوں کا نظامِ تعلیم۔ظاہر ہے ذہنی طور پر تقسیم قوم سائنس اور ٹکنالوجی میں آگے کیسے بڑھ سکتی ہے جبکہ اقبال نے جگہ جگہ اپنے کلام میں سائنس اور تسخیرِ کائنات کے حوالے سے آج کے نوجوان کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا ہے۔"بالِ جبریل" میں شامل نظم "خوش حال خان کی وصیت کا درج ذیل شعر دیکھیے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند(۶)

تعلیم اور نظامِ تعلیم کے لیے اقبال کی فکر بہت واضح ہے جسے پیشِ نظر رکھ کر ایسی نسل پروان چڑھائی جاسکتی ہے جو حقیقی معنوں میں انسانِ کامل ہو جسے جدید علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ اپنے اسلاف کے قیمتی ورثے کی حفاظت بھی آتی ہو۔اقبال عظمتِ آدم پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے عروج کو بہت رجائیت سے دیکھتے ہیں۔"بالِ جبریل" کی غزل کا مشہور شعر ہے:

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ ماہ کامل نہ بن جائے(۷)

وہ اپنی فکر میں انسان دوست آفاقیت کو ترجیح دیتے۔ہر طرح کی عصبیت سے کنارہ کشی کرتے نظر آتے ہیں اور بیک وقت سلطانی، جاگیری ، قبائیلی، سرمایہ داری، ملائیت، پیری اور رہبانیت کو رد کرتے ہیں۔"ارمغانِ حجاز" کی ایک نظم "آوزِ غیب" میں فرماتے ہیں:

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتہ ملاے و سلطانی و مُلانی و پیری(۸)

وہ انسان کے ہاتھوں انسانوں کی تذلیل وتباہی کو برداشت نہیں کرتے اور اس سمت واضح اشارہ کرتے ہیں۔ وہ ساری استحصالی قوتوں کو بے نقاب کرتے ہیں، خواہ مقامی ہو یا بین القوامی۔ جیسا کہ ڈاکٹر شاہ محمد مری نے اپنی کتاب میں بار بار اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ اقبال کی تفہیم میں بہت سے مغالطے ہی نہیں ہیں بلکہ ان جہتوں کو بھی نظر انداز کیا گیا ہے جو بہت اہم ہیں۔ اس میں ایک مثال اقتصادی ناہمواری ہے جو پوری عالمِ انسانیت پر مسلط ہے۔ اپنی کتاب "اقبال" میں وہ لکھتے ہیں؛

> "اقبال کا سفر اقتصادیات پر مضامین سے شروع ہوا۔ اقبال کی پہلی کتاب "علم الا قتصاد" تھی۔ وہ اپنی اس کتاب میں رقم طراز ہیں؛ اگر کسی جاگیر دار کے پاس موجود دولت اس کی اپنی محنت سے نہیں کمائی گئی تو پھر اس پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا۔ اب یہ ہماری پوری عوام دوست تحریک کی بد قسمتی ہے کہ فیوڈلزم اور اس کے اداروں نے خود اقبال ہی کو بہت بڑا پیر بناڈالا اور اسی کے کلام سے وہ حصے ٹی وی اور ریڈیو پر لا کر کندہ کر دیے، جو اسی جاگیر داریت، ملائیت اور پیری کو دوام دے رہے ہیں۔"(۹)

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ اقبال وہ پہلا شاعر ہے جس کی دانش نے اُن عالمی استحصالی قوتوں کو بے نقاب کیا جو ایجادات، اسلحہ اور جنگوں کے ذریعے قوموں کو محکوم بنانے کی سازش کے عمل میں مبتلا تھیں اور آج بھی ہیں۔ ان کا ادراک اقبال کی شاعری ہی نہیں بلکہ خطبات اور خطوط میں بھی موجود ہے۔ ہم اس تمام تر صورت حال کو آج واضح دیکھ رہے ہیں۔ دنیا بھر میں عراق وشام، کشمیر وافغانستان اور فلسطین میں انسانوں کا جو قتل عام ہو رہا ہے، جنگوں کی جو بھیانک صورت حال ہے اس میں اقوام متحدہ کا افسوسناک کردار ہم سب کے سامنے ہے۔ اقبال نے "ضربِ کلیم" میں شامل ایک نظم "مکہ اور جنیوا" میں کہا تھا:

مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام

جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم (۱۰)

انھوں نے فلسطین کے لیے بہت واضح موقف اختیار کیا تھا:

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق

ہسپانیہ پہ حق نہیں کیوں اہل عرب کا؟) (۱۱)

ایک اور نظم "فلسطینی عرب سے" کے اشعار دیکھیے؛

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ

میں جانتا ہوں وہ آتش تیرے وجود میں ہے !

تری دوانہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں

فرنگ کی رگ جاں پ یہود میں ہے

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات

خودی کی پرورش ولذت نمود میں ہے (۱۲)

ان اشعار سے اقبال کی پیش بینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو آج سچ ثابت ہو رہی ہے۔ آج فلسطین کی صورت حال کو ہم صرف تاسف سے دیکھ رہے ہیں۔ اپنے نوجوانوں تک ان کی آواز کو پہنچانے کے لیے کچھ عمل بھی کیا؟ عالم اسلام تو خود اس انتشار و افتراق میں مبتلا ہے جس سے علامہ اقبال نے بار بار متنبہ کیا ہے:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے ؟

وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے ایک ٹوٹا ہوا تارا؟

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا (۱۳)

یہ نہیں کہ ان موضوعات پر ہمارے دانشوروں کی توجہ نہیں رہی ہے، انھوں نے فکرِ اقبال کی جہتوں کو ہر دور میں اجاگر کیا ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی اپنی کتاب "جہاتِ اقبال" میں رقم طراز ہیں:

> "جن نام نہاد مدبروں کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سپرد کی گئی وہ خون ریزی، سفاکی، زیر دست آزادی کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ اخلاق انسانی کے نوامیسِ عالیہ کی حفاظت کریں انسان کو ظلم کرنے پر روکیں اور انسانیت کی ذہنی اور علمی سطح کو بلند کریں، انھوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں لاکھوں، کروڑوں مظلوم بندگانِ خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا۔ صرف اس واسطے کہ ان کے اپنے مخصوص گروہ کی ہوس کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جائے۔" (۱۴)

یہاں پر مجھے امداد نظامی کا ایک مضمون بھی یاد آیا جس میں وہ لکھتے ہیں:

"اقبال کی زندگی بھر کی کمائی ان کی قوم کے اندازِ فکر اور طرز عمل کی مستحکم اساس بن سکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ قوم اپنے عظیم شاعر کے حیات آفریں پیغام کا عملی نمونہ ثابت ہونے کے بجائے ان کی جاور بن کر رہ گئی اور اس طرح ایک بیش بہا اور بے مثل قومی ورثہ ضائع ہو گیا"(۱۵)

ضرورت ہے کہ اقبالیات کا نصاب تشکیل دیتے ہوئے ان دانشوروں کی فکر انگیز تحریر کو پیشِ نظر رکھا جائے اور اس کی روشنی میں نہ صرف نصاب بلکہ تعلیم و تربیت کا ایسا لاحہ عمل بنایا جائے کہ اکیسویں صدی کو ہم اقبال کے حوالے سے تجدیدِ نو کا عرصہ قرار دے سکیں خصوصاً اس وقت جب بیرونی یلغار، اندرونی خلفشار میں مبتلا منتشر ذہنوں کو ایک واضح راہ دکھانے کی ضرورت ہے اقبال کے اس آخری خطبے کو بھی نصاب میں آنا چاہیئے تھا جو 1938ء کے سالِ نو کے موقع پر لاہور ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوا تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد علی صدیقی اپنی کتاب "تلاش اقبال" میں لکھا ہے:

"مقام حیرت ہے کہ اب تک کسی نقاد نے اقبال کے آخری اہم پیغام کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی ہے۔ 1938ء میں اسپین کی خانہ جنگی ذہن میں رکھیے اور مندرجہ ذیل سطور پر سر دھنیے۔ یہ اس دور کی تحریر ہے جب اقبال کی بینائی تقریباً جاتی رہی ہے اور وہ مکمل طور پر صاحب فراش ہیں۔ اقبال کہتے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہسپانیہ کے عوام ایک ہی نسل، قومیت، زبان اور مذہب سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کا گلہ کاٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کیا وہ اپنی ثقافت و تہذیب کو خود اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر رہے ہیں کیوں؟ صرف اس لیے کہ ہسپانیوں کے دو طبقوں کے درمیان صرف نظریات کا فرق ہے۔ اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی اتحاد بجنسہ بہت زیادہ پائیدار اور طاقتور نہیں ہوتا۔ صرف ایک اتحاد کو دوام حاصل ہے اور وہ ہے اخوتِ انسانی۔ جو نسل، قومیت، رنگ و زبان سے بالاتر ہے۔ جب تک نام نہاد جمہوریت، مطعون قوم پرستی اور اخلاق باختہ سامراج کی دھجی دھجی نہیں کر دی جاتی اور جب تک انسان اپنے عمل سے یہ ثابت نہیں کر پاتا کہ وہ پوری دنیا کو اللہ تعالیٰ کا گھرانہ سمجھتا ہے اور جب تک رنگ، نسل اور جغرافیائی قومیتوں کے احساس ختم نہیں کیے جاتے اس وقت تک ایک خوش و خرم اور مطمئن زندگی آزادی، مساوات اور اخوت کے خوبصورت آدرش حاصل نہیں کیے جاسکتے۔"(۱۶)

آج حرمت انسانیت کی جو قومی اور عالمی صورتحال ہے، تہذیبی زوال اور انسان کی بے توقیری، عروج پر ہے۔ اقبال کے تعلیمی افکار کو نصاب کا لازمی حصہ بنانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ تعلیمی اور عملی سطح پر ان کی فکر کے اطلاق کو شامل کیے بغیر تعلیم و تربیت کی ذمہ داری پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے جو اقدامات اب تک نہیں کیے گئے ان پر فوری توجہ دی جانی چاہئے۔ یہ چار نصابی، طبقاتی فرق میں مبتلا کرتا نظامِ تعلیم ہمارے اس قومی شاعر کے افکار کی نفی ہے جس نے کہا تھا:

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں

بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو(۱۷)

اس وقت اشد ضرورت ہے کہ ہمارے معلمین و مدرسین جو بقول اقبال اپنے زمانے کی امامت کی قابلیت واہمیت رکھتے ہیں فکر اقبال سے حقیقی طور پر مستفید ہو کر نوجوان نسل کی ذہنی وفکری آبیاری کا موثر تربیتی نظام مرتب کریں تاکہ ہماری آئندہ نسلیں خودداری وخودنگہ داری کے اصولوں پر اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کر سکیں اور اقبال کی ان امیدوں پر پورا اتر سکیں جو انھوں نے اپنے شاہینوں سے وابستہ کر رکھی تھیں۔

☆☆☆

حوالے

۱۔اقبال،"کلیاتِ اقبال،اردو"(لاہور:اقبال اکادمی،۲۰۰۴ء)،ص:۲۷۲

۲۔ایضاً،ص:۲۳۸

۳۔ایضاً،ص:۴۶۲

۴۔عبداللہ،سید،ڈاکٹر،"مسائلِ اقبال"،(لاہور:مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،مئی،۱۹۷۴ء)،ص:۱۸۲

۵۔عظیم،وقار،پروفیسر،مضمون،"اقبال اور نژادِ نو"مشمولہ،"اقبالیات کا مطالعہ"،مرتبہ،ڈاکٹر سید معین الرحمان،(لاہور:اقبال اکامی،
پاکستان،۱۹۷۷ء،ص:۴۸

۶۔اقبال،کلیات،اردو،ص:۴۸۴

۷۔ایضاً،ص:۳۵۰

۸۔ایضاً،ص:۷۲۷

۹۔مری،شاہ محمد،"اقبال"،(کوئٹہ:سنگت پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء)،ص:۱۰۲

۱۰۔اقبال،کلیات،اردو،ص:۵۷۱

۱۱۔ایضاً،ص:۶۶۸

۱۲۔ایضاً،ص:۶۷۱

۱۳۔ایضاً،ص:۲۰۷

۱۴۔ فراقی، تحسین، ڈاکٹر، "جہاتِ اقبال"، (لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۹۳ء)، ص:۶۶

۱۵۔ نظامی، امداد، "اقبال کے کولمبس"، (کوئٹہ: وجدان پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص:۱۲۸

۱۶۔ صدیقی، محمد علی، ڈاکٹر، "تلاشِ اقبال"، (کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر، ۲۰۰۲ء)، ص:۱۱۰

۱۷۔ اقبال، کلیات، اردو، ص:۵۷۹

References:

1. Iqbal "Kuliyat e Iqbal, Urdu" (Lahore: Iqbal Academy, 2004), P. 272
2. Ibid, P:23
3. Ibid, P:462
4. Abdullah, Sayed, Doctor, " Masayl e Iqbal" (Lahor: West Pakistan Urdu Academy, May,1974), P:182
5. Azeem, Waqar, Professor, Essay, "Iqbal or Najad e Nu" contents, "Masayl e Iqbal" ,edited by, Syed Moin ur Rehman,(Lahore: Iqbal Academy, Pakistan, 1977), P:48
6. Iqbal, "Kuliyat e Iqbal, Urdu", P: 484
7. Ibid, P:350
8. Ibid, P:727
9. Marri, Shah Muhammad, " Iqbal", (Quetta: Sangat Publication, 2000), P:102
10. Iqbal, "Kuliyat e Iqbal, Urdu", P:571
11. Ibid, p:668
12. Ibid, P:671
13. Ibid, P:207
14. Firaqi, Tehseen, Doctor, " Jahat e Iqbal", (Lahore: Bazm e Iqbal, 1993), P:66

15. Nizami, Imdad, " Iqbal ky Columbus", (Quetta: Wajdan Publications, 2002), P:128

16. Siddiqi, Muhammad Ali Doctor, "Talash e Iqbal", (Karachi: Pakistan Study Center, 2002), P:11

17. Iqbal, "Kuliyat e Iqbal, Urdu", P:579